مجلس شامِ غریباں کی ابتداء اوراس کی تدریجی ترقیاں

مولوی سید دلدار علی منّے آغا صاحب رازؔ اجتہادی

ہندوستان اور پاکستان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ایسا مقام نہ ہوگا جہاں عزاداری ہوتی ہواور گیارہ محرم کی شب میں شام غریباں کی مجلس نہ ہوتی ہو۔دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ پینتالیس برس کی مختصر مدت میں مراسم عزا کی کسی رسم کو بھی اتنی ہمہ گیری اور مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔اس اہم اور اثر انگیز مجلس کی ابتدا لکھنؤ میں بالکل اچانک اس طرح ہوئی کہ ۱۹۲۶ء میں ابن سعود کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ منورہ کے رہنے والے دو عرب جن میں سے ایک کا نام سید صالح تھا (دوسرے کا نام یاد نہیں آرہا ہے) ۲ محرم کو لکھنؤ آئے۔ اماباڑہ غفران مآبؒ کی مجلس میں شرکت کرنے کے بعد ان دونوں نے اپنا تعارف کرایا۔اور کہا کہ لکھنؤ میں ان کا کوئی واقف کار نہیں ہے۔اماباڑے کے ہی حجرہ میں ان دونوں کے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا۔عشرہ محرم کو میری اور سرکار عمدۃ العلماء کی یہ رائے ہوئی کہ ان دونوں مہمانوں کے ساتھ ہی اماباڑہ میں فاقہ شکنی کی جائے۔مکان سے فاقہ شکنی کا سامان اور سماور وغیرہ منگالیا گیا۔فاقہ شکنی کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا۔ برادر مرحوم انتخاب العلماء مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلن صاحب قبلہ، برادر عزیز سید محمد رضی اجتہادی مرحوم، سید شجاع حسین عرف شجن صاحب مرحوم بھی شریک فاقہ شکنی تھے۔اچانک سید صالح (عرب) نے کہا کہ اس وقت دیگر باتوں کے بجائے اگر ذکر مصائب ہوتو بہتر ہے سب نے اس رائے کو پسند کیا۔سید کاظم حسین (نگران اماباڑہ) کو بھیجا گیا کہ سادی چائے کا کچھ اور انتظام کرلیں اور مومنین کو اطلاع کردیں۔تقریباً ستر، اسّی حضرات جمع ہوگئے۔ انتخاب العلماء نے بہت کامیاب ذاکری فرمائی۔عمدۃ العلماء نے مجلس کے بعد فرمایا مناسب ہے کہ یہ مجلس جس کی ابتدا اب کی ہوئی ہے ہر سال ہوا کرے مولوی سید رضی ہدفؔ اجتہادی صاحب مرحوم کی تجویز ہوئی کہ اس مجلس میں فرش اور نمگیرے وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا کرے۔میرے منھ سے بے ساختہ نکلا کہ اس کا نام ''شام غریباں'' قرار دیا جائے۔دوسرے سال باقاعدہ اعلان کے بعد مجلس منعقد کی گئی۔اور خلاف امید اتنا مجمع ہوا کہ تقریباً نصف صحن بھر گیا۔سرکار عمدۃ العلماء کا بیان اتنا اثر انگیز تھا کہ کئی آدمیوں کو غش آ گیا۔چونکہ قاعدہ ہے کہ کسی کے انتقال کے بعد دوستوں کی طرف سے سوگواروں کو کڑوی روٹی کے نام سے کھانا بھیجا جاتا ہے۔اور یہ بھی شہرت ہے کہ زوجۂ حُر اہل حرم کے لئے کھانا اور پانی لائی تھی۔لہٰذا تیسرے سال یہ طے ہوا کہ شبیہوں کے بجائے کچھ خوان اور مشکیں مجلس کے بعد لائی جائیں اور کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں شمعیں روشن ہوں اس مظاہرے سے اثر انگیزی میں اور اضافہ ہوگیا۔

یہ مجلس سال بہ سال ترقی کرتی چلی گئی۔اور بعض مومنین پر اتنا شدید گریہ طاری ہوتا تھا اور اس طرح غش آتا

تھا کہ میڈیکل کالج لے جانا پڑتا تھا۔ لہٰذا مولوی علی حسین صاحب مرحوم کی تحریک پر وکٹوریہ گنج اسپتال کے انچارج ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب مرحوم دو کمپونڈروں اور دواؤں کے ساتھ آنے لگے۔ بکثرت بے ہوش ہوجانے والوں کو اٹھانے کے لئے شعبۂ اسکاؤٹس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ مجمع کی کثرت سے امام باڑہ غفران مآبؒ کا وسیع صحن تنگ داماں ہوگیا۔

شاید ۳۰ یا ۳۱ عیسوی میں جناب مہاراجکمار محمود حسن خان صاحب آف اقبال منزل اور حسینی شاعر فضل صاحب نقوی کی تحریک سے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن نے اس مجلس کو براڈ کاسٹ کرنا شروع کیا۔ ابتداء میں کل سترہ منٹ دیئے گئے تھے جس میں پندرہ منٹ مجلس اور دو منٹ ماتم نشر کیا جاتا تھا۔ سرکار عمدۃ العلماءؒ کی خطابت اور قادر الکلامی کا یہ اعجاز تھا کہ جیسے ہی ایک چھوٹے سے بلب کے روشن ہونے سے براڈ کاسٹنگ کا اشارہ ہوتا تھا، آپ بغیر اس کے کہ مجمع کو ذرا سا بھی احساس ہو اپنے بیان کا رُخ موڑ دیتے تھے۔ اور وہ انداز بیان اختیار فرما لیتے تھے جو بین الاقوامی نوعیت کا ہو۔ اور ہر مسلم اور غیر مسلم کے سننے کے لائق ہو۔ اور اس پندرہ منٹ میں نہ صرف معرکۂ کربلا کی تاریخ اور مقاصد جنگ بلکہ مقصد اسلام، رسولؐ اسلام کے انداز تبلیغ، اہلبیتؑ کی سیرت، مصائب کربلا سب کچھ ہی سمیٹ لیتے تھے کوزے میں نہیں بلکہ گویا قطرے میں سمندر سمو دیتے تھے۔ اس مجلس کا انداز دیگر مجالس سے ہمیشہ امتیازی اور جداگانہ رہا ہے۔ فضائل بھی ہوں، تذکرہ اہلبیتؑ بھی ہو، نکات بھی بیان کئے جائیں مگر انداز بیان ایسا رہے کہ سوگواری کا اثر قائم رہے۔ درود وصلوٰۃ اور تعریف کے ہمہموں سے یہ تاثر ختم نہ ہونے پائے۔

مجلس کے براڈ کاسٹنگ ہونے کے بعد سے تو یہ ایک مجلس ہزاروں جگہ ہونے لگی۔ عزاخانوں میں یہ انتظام کیا گیا کہ اس مجلس کے وقت کے قریب روشنیاں گل کردی جائیں۔ فرش ہٹا دیا جائے اور بجائے ذاکر کے ریڈیو رکھ دیا جائے۔ لطف یہ کہ ہر جگہ وہی اثر انگیزی قائم رہتی ہے جو خود امام باڑہ میں سامعین پر ہوتی ہے۔

جناب عمدۃ العلماء نے اپنی حیات کے آخری دور تک اس مجلس کو نباہا۔ جناب مرحوم نے سب سے پہلی مجلس اسی اماماڑہ میں پڑھ کر اپنی ذاکری کی ابتدا کی تھی اور اپنی زندگی کے آخری محرم ۱۹۶۳ء میں دہم محرم کو عصر کے وقت آخری مجلس بھی اسی اماماڑے میں یوں پڑھی کہ فینس پر تشریف لے گئے کئی آدمیوں نے سنبھال کر منبر پر بٹھایا۔ اور بیس منٹ اس ضعف ونقاہت کے عالم میں مجلس پڑھی جب کہ کسی دوسرے کے لئے بات کرنا بھی مشکل ہوتا۔ اسی سال کی شام غریباں کی مجلس وہ آخری مجلس تھی جس کا مسودہ مرحوم نے تحریر فرمایا تھا خود تو نہ پڑھ سکے مگر مولانا کلب صادق صاحب سلمہٗ ایم۔اے۔ نے بالکل مرحوم ہی کے لب ولہجہ میں اس طرح بیان کیا کہ باہر کے سننے والوں کو یہ اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ سرکار مرحوم خود نہیں پڑھ رہے ہیں۔ یہ مجلس خطابت اور ادبیت کے اعتبار سے بھی ایک یادگار مجلس تھی۔ جس میں مرحوم نے چمکتے ہوئے چاند کو خطاب کر کے اس کی زبانی پوری تاریخ کربلا دہرائی تھی۔ جو کتابی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں مومنین کے

پاس بطور یادگار اب بھی موجود ہے۔ ہندو پاک کا شاید ہی کوئی ایسا جریدہ ہو جس میں مرحوم کے انتقال کے بعد یہ مجلس طبع نہ ہوئی ہو۔ جناب عمدۃ العلماء کی حیات ہی میں اس مجلس کی مقبولیت کو دیکھ کر ریڈیو اسٹیشن کے ذمہ داروں نے اس کا وقت بڑھا کر ۳۰ منٹ کر دیا اور بعض مجبوریوں کی بنا پر اس کے نشر کا وقت ۱۰ بج کر چالیس منٹ کر دیا میرے خیال میں تبدیلی وقت سے ان لاکھوں عزاداروں کو اور مجلس کے مشتاقوں کو بڑی زحمت پڑتی ہے جو شب عاشور بیدار رہنے کے بعد دن بھر مجلس و ماتم میں مشغول رہتے ہیں۔ اور فاقہ شکنی کے بعد تھک کر چور ہوتے ہیں۔

میں بہت مایوس تھا کہ جناب مرحوم کے بعد امام باڑہ غفران مآبؒ کے عشرے اور خاص طور پر شام غریباں کی مجلس کا کیا ہوگا جو اپنے رنگ کی منفرد مجلس ہے مگر جناب مرحوم کے مرض الموت میں عزیزی مولوی سید کلب صادق صاحب سلمہٗ نے بڑی خوبی سے مجلسوں کی سابقہ روایات کو قائم رکھا اور ان کے انتقال کے بعد عزیزم صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب سلمہٗ نے اپنے پدر مرحوم کے قدم بہ قدم چل کر مجالس حسینیہ غفران مآبؒ کو جن کے دم سے لکھنؤ کی عزاداری کی رونق ہے چار چاند لگا دیئے۔ یہ تو نہ کہوں گا کہ صفوۃ العلماء کا طرز خطابت اپنے پدر بزرگوار سے بہتر ہوتا ہے مگر اس کہنے میں کوئی تکلف نہ کروں گا کہ اب اجتماع پہلے زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اور میں تو اس کو بھی جناب مرحوم کے ایثار اور روحانی برکتوں اور حضرت غفران مآبؒ کے خلوص نیت کا فیض سمجھتا ہوں۔ اب تو یہ مجلس دس بج کر ۴۰ منٹ پر لکھنؤ سے براڈ کاسٹ ہوتی ہے اور لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کے علاوہ دہلی، کشمیر اور بعض دیگر اسٹیشن بھی اس کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچاتے ہیں۔ مجلس شام غریباں کا لکھنؤ سے اتنا گہرا تعلق ہو گیا ہے کہ تھوڑے ہی دن پہلے لکھنؤ پر (اردو مجلس میں) جب ایک فیچر نشر کیا گیا تو اس میں خاص طور پر اس مجلس کا ذکر کیا گیا اور اس کا ایک حصہ بھی نشر کیا گیا۔ اب مجمع کا یہ عالم ہوتا ہے کہ امام باڑہ کے طویل و عریض صحن کے علاوہ منڈی کی پوری سڑک (جس کا لکھنؤ کارپوریشن نے حال ہی میں مولانا کلب حسین مارگ نام تجویز کیا ہے) آغا باقر مرحوم کا امامباڑہ جنّت کی کھڑکی کا صحن اور سلطان المدارس کے پہلو سے گذرنے والی سڑک مجمع سے مملو نظر آتی ہے۔ بعض لوگ پہلے ہی جگہ لینے کے لئے آجاتے ہیں اور فاقہ شکنی بھی (جس کا انتظام پہلے عمدۃ العلماء اور اب صفوۃ العلماء کی طرف سے عصر عاشور کی مجلس کے بعد کیا جاتا ہے) کر کے یہیں ٹھہر جاتے ہیں نہ صرف مومنین اور دیگر برادران اسلامی شرکت کرتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی دلچسپی سے شرکت کرتے ہیں۔ بیرون ملک سے آئے ہوئے سیاح بھی اس منظر کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ دو سال سے یو۔ پی۔ کے ہر دل عزیز گورنر جناب بی۔ گوپالا ریڈی صاحب بھی شریک ہوتے ہیں اور کافی متاثر ہوتے ہیں۔ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کے مدراسی ڈائرکٹر صاحب نے شرکت فرمائی اور کہا ''کوئی ریلیجس پروگرام کسی بھی فرقہ کا اتنا مقبول نہیں ہے جو اس مجلس کو مقبولیت حاصل ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ جس ہوٹل یا دوکان کے ریڈیو سے یہ مجلس نشر ہوتی ہے وہاں

لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں'' گورنر صاحب غیر مسلم حضرات اور سیاح حضرات کے لئے علاحدہ ہال میں انتظام ہوتا ہے تاکہ مجمع کی کثرت کی بنا پر زیارت سے محروم نہ ہوجائیں اور مجلس کے بعد ان حضرات کی چائے وغیرہ سے ضیافت کی جاتی ہے۔(راز اجتہادی عفی عنہ، مارچ ۱۹۷۲ء)

نوٹ:- صفوۃ العلماء رحمت مآب اپنی ساری زندگی مجلس شام غریباں کو خطاب کرتے رہے اور مرحوم کی وفات کے بعد سے ان کے جانشین قائد ملت (متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائہ) اپنے مخصوص انداز میں کئی لاکھ کے مجمع کو جو امامباڑہ کے اطراف وجوانب میں بحیثیت سامع ہمہ تن گوش رہتا ہے (ویسے تو دوردرشن سے نشر ہونے کی وجہ سے سننے والے پوری دنیا میں کروروں ہوتے ہیں)خطاب فرمارہے ہیں۔ (ادارہ)

❁❁❁

بقیہ-------------واقعۂ کربلا

واقعۂ کربلا کے دامن میں چھپے ہوئے سبقوں سے اعراض ہماری بہت بڑی محرومی ہوگی۔ جولوگ اس واقعہ کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اوران لوگوں کے جرائم وافعال واعمال پر پردہ ڈالنے اوران کو عام نگاہوں میں سبک وخفیف کرنے کی سعی کرتے ہیں وہ یزیدیت کے دربار سے تو کوئی فائدہ اب پانہیں سکتے، البتہ بارگاہ ایزدی میں مخذول ومنکوب ضرور ہوں گے۔ان تمام باتوں کے ساتھ میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ ہمیں سانحہ کربلا کی اس نوعیت ہی پر اکتفا کرلینا کافی نہ ہوگا۔ صرف چند آنسوؤں کا بہالینا جواس حادثہ کا معمولی اثر ہے اور جس کا مظاہرہ مخالف فوج میں بھی ہونا قرین قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایتوں سے اس کا واقع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، اس سانحہ عظمیٰ کا مطالبہ ہم سے بہت کچھ ہے، یہی کافی نہیں کہ ہم صرف اشکِ خونیں کے آنکھوں سے جاری ہوجانے ہی پر اکتفا کریں بلکہ اس حادثۂ خونیں سے متاثر ہونے پر جو یقیناً ان حالات میں ایک فطری چیز ہے اور جن سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا، مزید غور کرنے کی ضرورت ہے اور سانحہ عظمیٰ سے نصیحت حاصل کرنے کے جو وسیع الذیل مواقع میسر ہیں انھیں ضائع نہ ہونے دینا چاہئے۔

❁❁❁